امن

و

امان

فہرست مضامین

امن وامان	255
امن کی آشا	256
قومی وملی خودداری	260
قلم، کتاب اور امن	263
سماجی ترقی اور امن عالم میں مذاہب کا کردار	267
امن عالم میں باہمی مذہبی احترام کا کردار	271
امن کا حصول مگر کیسے......؟	275

☆......☆......☆

امن کی آشا

امن ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر زندگی کو ہر وقت خطرات وخدشات لاحق ہوتے ہیں۔حضرت انسان بھی عجیب ہے کہ دنیا میں ایک بہت ہی کم زندگی لے کراور اللہ تعالیٰ سے پُر امن رہنے کا وعدہ کر کے بھی جنگ وجدل اور فساد و بگاڑ کا موجب بنتا رہتا ہے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ زر، زمین، زن افراد اور اقوام کے درمیان نزاع واختلافات اور جنگ وفساد کی بنیاد رہی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تین چیزیں انسانی زندگی کے لئے بہت مرغوب اور دلکش ہیں لیکن ایسا بھی نہیں کہ ان کے بغیر زندگی گزرتی نہیں۔البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ زندگی کے ساتھ ان چیزوں کا بہت گہرا تعلق ہے۔لیکن بہت سارے لوگ اور اقوام ان ہی ضروریات زندگی کو مقصد زندگی قرار دے کر دوسرے لوگوں سے حق زندگی چھین لینے کی کوشش کرتے ہیں۔اس کے علاوہ تاریخ میں یہ بات بہت واضح انداز میں موجود ہے کہ اقوام کے درمیان اختلافات کی ایک اہم وجہ مذہبیات اور دینیات رہی ہے۔حالانکہ دین انسانیت کے درمیان محبت، امن اور بھائی چارے کا درس دیتا ہے لیکن بہت ساری اقوام ایسی ہیں جو دوسری اقوام بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ مذہب کے نام پر تعصب برتتے ہیں۔

عالمی سطح پر یہودی وہ لوگ ہیں جو دیگر مذاہب بالخصوص اسلام کے پیروکاروں کے بارے میں کم تر نظریہ کے حامل ہیں۔قرآن کریم نے ان کے اس طرز عمل اور روش کے حوالے سے بہت واضح انداز میں خبر دی ہے۔یہود ونصاریٰ تو اس حد تک احساس برتری میں مبتلا ہیں کہ ان کے نزدید جنت میں جانے کے لئے لازمی شرط یہودی یا عیسائی ہونا ہے۔پھر اس پر بھی بس نہیں کرتے بلکہ اپنے نظریات کے مطابق ایک ایسا عالمی معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں ان کے مذہبی نظریات وعقائد کی آمیزش اور برتری ہو۔ان مذاہب کی علمبردار حکومتیں اور ان کے پالیسی ساز بظاہر اپنی حکومتوں اور معاشروں کو سیکولر یا لبرل قرار دیکر مسلمانوں کو تنگ نظر اور مذہبی متعصب منوانے کے لئے مسلمانوں میں موجود ایک اقلیتی گروہ کے نظریات کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں جس کی وجہ غیر مسلم دنیا بالخصوص امریکہ اور مغرب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہو جاتے ہیں اور ان کی حکومتی پالیسیاں مسلمانوں کے ساتھ تعصب اور امتیازی سلوک پر مبنی ہوتی ہیں۔حالانکہ اسلام اور

مسلمانوں کی تاریخ میں ان کے عروج کے دور میں کبھی بھی کسی بھی قوم اور مذہب کے خلاف مذہب اور قومیت کی بنیاد پر کسی امتیازی اور ظالمانہ سلوک کی شہادت بہت مشکل سے ملے گی۔ یہی وجہ ہے کہ سپین اور ہندوستان میں آج بھی ہندوؤں اور عیسائیوں کی اکثریت ہے۔اس بات کی گواہی بعض غیر جانبدار اور اعتدال پسند ہندو اور عیسائی مؤرخین نے بھی دی ہے۔

جہاں تک آج کے ہندو پاکستان کے درمیان ''امن کی آشا'' کی مہم چلانے کا تعلق ہے تو کون کافر اس سے انکار کرسکتا ہے کہ اگر جنوبی ایشیا کے ان دو پڑوسی ممالک کے درمیان امن کی ہوا چلنے لگے اور لوگ ایک ہی فلک میں پتنگ اڑا کر اور پیچ لڑا کر محبت اور امن کی آشا پالیں۔سرحدوں کی لکیر پر کبڈی کبڈی کھیلیں۔اس خطے کی مشرقی اور اسلامی حیا کی مشترک اقدار پروان چڑھائیں اور انہی اقدار کے نتیجے میں جو امن قائم ہو تو اس کا فائدہ عوام کو اس طرح پہنچے کہ دونوں ممالک یورپ اور امریکہ سے اربوں ڈالرز کا امن وانسانیت کے لئے تباہ کن اور مہلک اسلحہ خریدنے کی بجائے لوگوں کو روٹی کپڑا، مکان مہیا کیا جائے اور صحت وتعلیم کے منصوبوں پر یہ کثیر رقم خرچ کی جائے تو معیار زندگی بلند ہو جائے اور لوگوں کی فکر وسوچ بھی رفعت وعروج کے زینے طے کر کے ایک دوسرے کے خلاف تباہی وبربادی کے منصوبے وعزائم ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

جنوبی ایشیا کے ان دو ممالک کے درمیان امن قائم ہونے سے اس پورے خطے پر خوشگوار اثرات مرتب ہوں گے جن کا فائدہ اس خطے کے انسانوں کو پرامن اور پرسکون زندگی گزارنے کی صورت میں ملے گا۔لیکن آیئے دیکھتے ہیں کہ آج کل ''امن کی آشا'' کی مہم چلانے والوں کے پیچھے واقعی امن کی آرزو کارفرما ہے یا اس میں بھی کہیں مکروہ سیاست وعزائم پوشیدہ ہے۔اس سلسلے میں پہلی اور اصولی بات تو یہ ہے کہ اگر ہندوستان اور پاکستان کے دو صحافتی گروپوں کی طرف سے شروع کردہ اس مہم میں خلوص اور نیک نیتی ہے اور یہ مروجہ سیاست یا بیرونی اثرات سے پاک ہے تو ہر مسلمان اور انسان کی دعا یہ ہونی چاہئے کہ یہ مہم اپنے نتائج حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہو۔لیکن اگر اس کے پیچھے بھی کچھ وقتی مفادات یا بیرونی قوتوں کے عزائم ہیں تو یہ بظاہر کامیاب ہو کر بھی ناکام رہے گی۔

اگر اس مہم کے پسِ پشت خطے کی دونوں حکومتوں اور پالیسی سازوں کے نیک ارادے کارفرما ہیں تو پھر اسے خوش آئند بنانے کے لئے کچھ اور اقدامات کرنا بھی ضروری ہیں۔

اگرچہ ہندوستان اور پاکستان کے عوام کے درمیان تحریک پاکستان سے لے کر آج تک جو بداعتمادیاں پیدا ہوئی ہیں ان کا ختم کرنا بہت مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں۔ دونوں ملکوں کے درمیان ''امن کی آشا'' کی مہم کو سر کرنے کے لئے ہندوستان کو جغرافیائی اور دفاعی طاقت کے لحاظ سے بڑا ہونے کی بناء پر چند ضروری اقدامات اٹھانے میں پہل کرنا ہوگی۔ اس سلسلے میں سرفہرست کام اور بات یہ ہے کہ ہندوستان کو مقبوضہ کشمیر سے اپنی وہ لاکھوں افواج جس نے گذشتہ بیس برسوں میں ہر کشمیری اور پاکستانی کے دل پر زخم لگائے ہیں کو فی الفور واپس بلانا ہوگا اور مقبوضہ کشمیر کے عوام کو وہ حق دینا ہوگا جو انہیں دنیا بھر کی اقوام نے اقوامِ متحدہ کے قراردادوں کے مطابق دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کو ان کے بنیادی انسانی حقوق دینے ہونگے۔ ان دو اقدامات سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان امن کی مضبوط بنیادیں استوار ہونا شروع ہو جائیں گی۔

اس کے علاوہ انڈیا کی حکومت کو بال ٹھاکرے، منوہر جوشی، ایل کے ایڈوانی اور اسی قبیل کی دیگر مذہبی جنونیت کے حامل انتہا پسند لوگوں اور ان کے مسلح شیوسینا جیسے گرگوں کو بھی لگام دینا ہوگا۔ جب اس قسم کے لوگوں کے آتشیں اور شعلہ آسا بیانات لوگوں کے درمیان گردش نہیں کریں گے تو لوگوں کے گرم جذبات پر روح کو سکون واطمینان دلانے والی پھوار پڑ کر ٹھنڈی برکھا برسنا شروع ہو جائے گی۔

اس وقت انڈیا اور پاکستان کے درمیان ایک بہت بڑا مسئلہ مقبوضہ کشمیر میں پاکستانی دریاؤں کے سرچشموں پر انڈیا کا بہت سارے ڈیم بنانا بھی ہے لیکن مقبوضہ کشمیر کا مسئلہ استصواب رائے کے ذریعے حل ہونے کے ساتھ یہ مسئلہ بھی خود بخود حل ہو جائے گا۔ کیونکہ کشمیری کبھی بھی پاکستان کا پانی بند کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ اسی طرح افغانستان میں انڈیا اپنے قونصل خانوں کے ذریعے ہماری مغربی سرحدوں کی گرم صورتحال سے ناجائز فائدہ اٹھانا چھوڑ کر دریائے کابل پر بھی بند باندھنے کے منصوبے ترک کردے تو پاکستان کی حکومت اور عوام کے دلوں سے انڈیا کے بارے میں جمی ہوئی بداعتمادی کی تہیں اترنا شروع ہو جائیں گی اور دونوں ملکوں کے درمیان ایک ایسی فضا قائم ہوگی جس میں امریکہ اور مغرب کو اپنا اسلحہ بیچنے کا موقع نہیں ملے گا اور ان ملکوں کے عوام کے درمیان واہ واہ ہو جائیگی۔

انڈیا شاید آج کی صورتحال سے فائدہ اٹھانے کی نیت کے ساتھ امریکہ کی چھتری کے نیچے پاکستان کا ہاتھ مروڑ کر مادی فوائد حاصل کرنے کے چکر میں ہے اس لئے ''امن کی آشا'' کی مہم چلا کر اور کشمیر کا بنیادی

مسئلہ بھول کروا ہگہ بارڈر کے ذریعے افغانستان اور وسطی ایشیا تک ٹرانزٹ ٹریڈ کی سہولتیں سمیٹنا چاہتا ہے۔

اگر انڈیا واقعی چاہتا ہے کہ پاکستان کے ساتھ اس کے تعلقات بہتر ہوں اور دونوں امن و آشتی کے ساتھ رہیں تو اسے دیپک کپور اور مذہبی انتہا پسندی کو لگام دے کر مسئلہ کشمیر اور پاکستان کے لئے تیار کردہ واٹر بم کو ڈی فیوز کرنا ہوگا۔ تب کہیں جا کر انڈیا کو اس خطے میں اس سے زیادہ منافع وفوائد مل سکتے ہیں جس کا وہ سوچ رہا ہے۔ لیکن اگر انڈیا یہ بنیادی اقدامات اٹھانے کے لئے تیار نہیں اور زبانی جمع خرچ اور خالی خولی اور اخلاص سے عاری ''امن آشا وشا'' کی نعریں لگا تا رہے تو نتیجہ ڈھاک کے تین پات کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا۔

☆......☆......☆

قومی و ملی خودداری

گذشتہ ساٹھ برسوں میں مملکتِ خداداد اور اس کے عوام سیاسی اور معاشرتی طور پر جن جانکاہ حالات سے گزرے ہیں وہ ہماری مختصر تاریخ کا حصہ بن گیا ہے۔ ۲۰۰۱ء کے بعد تو پاکستان کی جو درگت بنی یا بنائی گئی ہے اس کی وجہ سے تو مایوسی کی ایک ایسی گھمبیر تا چھا گئی جس کے اثرات سے بہت کم لوگ محفوظ رہے ہوں گے۔ میں خود ایک امید پرست ہونے کے باوجود کبھی کبھی مایوس ہونے لگتا کہ بس اب عالم اسلام اور پاکستان میں آدمی کسی سے کیا توقع رکھے جب سب معاملات امریکہ اور ڈالر کے ساتھ وابستہ ہو گئے ہیں۔ ویسے تو خیر سے پاکستان کی پیدائش کے ساتھ ہی قائدِ ملت لیاقت علی خان صاحب کے دورۂ امریکہ ہی سے امریکہ اور پاکستان کے ایسے تعلقات استوار ہو گئے تھے جس کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ سیاسی مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ پاکستان کے وزیر اعظم کو پہلی دعوت روس کی طرف سے ملی تھی لیکن پاکستانی بیوروکریسی میں گرین کارڈ ہولڈرز نے وہ دعوت نامہ امریکی سفارتخانے پہنچا کر اپنا ''فرض منصبی'' نبھانے کی پوری کوشش کر کے امریکہ سے بھی پاکستانی وزیر اعظم کو دعوت نامہ دلوا دیا۔ اسی تاریخی دورے کے نتیجے میں امریکہ اور پاکستان کے درمیان وہ تاریخی تعلقات قائم ہوئے جس کے تحت (SEATO) اور سینٹو (SENTO) جیسے ''مبارک'' معاہدوں سے ہوتے ہوئے ہم 9/11 کے واقعہ کے دو دن بعد امریکہ کے ساتھ ایک ایسی تاریخی اور ''شاندار'' معاہدے بندھ گئے جس کے نتیجے میں ہم سپر پاور کے مخالف (Foe) کی بجائے ''دوست'' بن گئے اور آگے جا کر ہم نان نیٹو اتحادی بنے۔ اس دوستی کے نتیجے میں پاکستانی عوام کو گذشتہ چھ سات برسوں سے جو کچھ مل رہا ہے اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ ''سپر پاور، دے اور بندہ لے''

دوستی کے اس معاہدے کے بعد بہت سارے پاکستانی کہتے رہے پاکستان ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اکیاون ویں صوبہ [ریاست] کی حیثیت اختیار کرنے والا ہے۔ ثبوت کے طور پر لوگ کارخانوں بازار میں ہر قسم کی امریکی اشیاء کی دستیابی پیش کرنے لگے۔ واللہ! کبھی کبھار تو ہم بھی اندروں ہی اندروں'' خوش ہو جاتے تھے کہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی، رنگ آئے چوکھا'' کے مصداق مفت میں ہم بھی امریکی سٹیزن بن جائیں گے لیکن شاید ''یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا''۔

شومئ قسمت دیکھئے کہ کمند کہاں ٹوٹی، الیکشن کیا ہوئے، کہ ''ہم میکدے سے نکلے دنیا بدل گئی'' کے مصداق پاکستانی فضا میں ایسی خوشگوار تبدیلیاں آئیں کہ بخدا ہمیں تو محترم نواز شریف اور محترم اسفندیار ولی خان کے بیانات نے پہلی دفعہ یہ احساس دلایا کہ ہم پاکستانی ہیں اور پاکستانی ہونا بہت بڑی بات ہے۔ پاکستان مملکتِ خداداد ہے۔ یہ مدینہ منورہ کی خوبصورت ترین اسلامی ریاست کے بعد دوسری خوبصورت اسلامی ریاست ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آئی تھی۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے بجا طور پر مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کو ''پہلا پاکستان'' قرار دیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں:

''مشیت الٰہی کے زبردست ہاتھ نے آخر کار اپنے رسول مقبول ﷺ کی تاریخی ہجرت سے مدینہ طیبہ میں ایک طرح کا پاکستان قائم کر دیا''۔

نبی ﷺ نے مکہ المکرّمہ میں ۱۳ سال محکومی ومقہوری کی زندگی گزارنے کے بعد مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ دی جس سے مسلمانوں کو ایک آزاد اور خود مختار معاشرہ میں زندگی گزارنے کا موقع ملا۔ اسلام میں خود مختاری کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ کیونکہ ہر انسان بنیادی طور پر آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ فرانسیسی مفکر روسو کے نام سے مشہور یہ فقرہ کہ ہر انسان آزاد پیدا ہوا ہے لیکن اب ہر جگہ زنجیروں میں ہے'' در اصل حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے۔

پاکستان بھی دراصل اسی خود مختاری کے حصول کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ اس کا بنیادی مقصد ہی یہ تھا کہ پاکستان میں رہنے والے لوگ آزاد اور خود مختار ہوں گے۔ روز یہاں پر ہر شخص کی ایک باعزت زندگی گزارنے کا موقع حاصل ہوگا۔ قائداعظم نے ایک اہم موقع پر فرمایا تھا:

"We wish to live in peace hormony with our neighbours as a free and independent people".

''ہم اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ایک آزاد اور خود مختار ملک کی حیثیت سے امن کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں''

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ گذشتہ ساٹھ برسوں میں ہمیں بہت کم احساس ہوا ہے کہ ہم آزاد اور خود مختار ہیں۔ ہم کیوں آزاد ملک کے باشندے ہوتے ہوئے آزاد نہ رہ سکے، اس کی بہت زیادہ وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن دو تین وجوہات بہت زیادہ واضح ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام کے نام پر ملک قائم کر کے اسلام کے

زریں اصولوں کے خلاف چلایا تو اللہ تعالیٰ کے ناشکری کے مرتکب ہوئے اور آدھا ملک گنوا بیٹھے۔ دنیا بھر میں رائج نظامِ جمہوریت چلانے میں ناکامی کی وجہ سے ہمارے ملک کے ادارے مضبوط نہ ہو سکے جس کے نتیجے میں ہماری معاشی بنیاد بھی مضبوط نہ ہو سکی۔ کمزور اقتصادی حالات کی وجہ سے ہم دوسری اقوام وممالک کے دستِ نگر ہوتے چلے گئے۔ دست حاجت پھیلانے والے افراد اور ممالک کبھی خوددار اور خودمختار نہیں ہو سکتے۔ جس کی وجہ سے ملک قحط الرجال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پاکستان میں شاید ایک عرصے سے ہم ایسی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ جس کی بناء پر ہماری قومی وملی خودمختاری وخودداری داؤ پر لگ رہی ہے۔

9/11 کے بعد تو شاید قوم کا بچہ بچہ ہی یہ راگ الاپ رہا ہے کہ شاید ہم ایک آزاد قوم نہیں رہے کیونکہ ہمارے قومی اعمال وافعال سے کسی صورت بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ہم آزاد ہیں۔ حزن وملال اور مایوسی کی گھٹا ٹوپ اندھیرے ہیں۔ امریکی نمائندوں کے ساتھ جناب وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی، جناب نواز شریف اور جناب اسفند یار ولی کے طرزِ عمل نے پاکستان اور پاکستانیوں کو پہلی دفعہ ایک امید اور آسرا دلایا ہے کہ شاید ہم فروری کے انتخابات کے نتیجے میں آزادی وخودمختاری کی طرف سفر شروع کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پاکستان میں ان انتخابات کے نتیجے میں ایک ایسی مضبوط جمہوری حکومت وجود میں آئے جس کی بنیاد، اُخوت، رواداری، خودداری اور انسانیت کے اعلیٰ وارفع اصولوں پر قائم ہو۔

جناب وزیراعظم کا یہ عندیہ کہ ملک وقوم کے سارے مسائل پارلیمنٹ کے ذریعے حل کیے جائیں گے، نواشریف صاحب کا امریکی وفد کے سامنے نعرۂ حق لگانا اور اسفند یار ولی خان صاحب کا امریکی وفد کے ساتھ امریکی کونصلیٹ میں ملاقات سے انکار یقیناً حیات بخش تازہ ہوا کے جھونکے ہیں۔ اگر نواز شریف اور اسفند یار ولی خان صاحبان کسی بااعتماد ذریعے سے آج سروے کروالیں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ قوم وملت کے افراد کے دلوں میں ان کی خودداری پر مبنی بیانات اور طرزِ عمل سے ان کی مقبولیت کا گراف کتنا بلند ہوا ہے۔ یہی جمہوریت کا ثمرہ اور قوم وملک کی ترقی اور خودداری اور خودمختاری کا راستہ ہے۔ امید ہے کہ اعلان بھوربن پاکستانی قوم کو خودمختاری کی راہ پر گامزن کرنے میں بنیادی کردار ادا کرے گا۔

زیادہ دن نہیں گزرے یہاں کچھ لوگ رہتے تھے
جو دل محسوس کرتا تھا علی الاعلان کہتے تھے

قلم کتاب اور امن

ایک مدت کی بن باس کاٹنے کے بعد صوبہ سرحد کی ایک تاریخی جماعت اے این پی کو اللہ تعالیٰ نے اس خطے کی عوام کی خدمت کا موقع دیا ہے۔ایک عرصے سے اے این پی کے رہنما اسفندیار ولی خان صاحب اس حوالے سے صوبے کے عوام کو مختلف ذرائع سے اپنا پیغام اور منشور پہنچاتے رہے ہیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ عوام نے آج کے مخصوص حالات میں اپنی رائے دہی کا اظہار ان کے حق میں کر دیا ہے۔ہم اس تاریخی موقع پر اے این پی کے رہنما اور ان کی ٹیم کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ ان کا یہ عرصۂ اقتدار پاکستان کے لئے بالعموم اور صوبہ سرحد کے لئے بالخصوص رحمت وراحت بن جائے۔

اے این پی کے منشور میں دو بہت اہم نکات ہیں، جن کو اگر منشور کی روح کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ایک قلم وکتاب دوسرا امن۔مختلف نشریاتی اداروں کے ساتھ اے این پی کے رہنما نے اپنے منشور کے ان ہی دو نکات کو زور دے کر واضح کیا کہ ہم صوبہ سرحد کے بچوں کے ہاتھ میں قلم اور کتاب دینے اور صوبے کے لئے امن کے خواہاں ہیں۔

قلم اور کتاب اور امن کی اہمیت اور افادیت سے کون انکار کرسکتا ہے۔یہ تو پیغمبرانہ منشور ہے بشرطیکہ زیر عمل لایا جائے۔نبی ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی۔اس میں پہلا لفظ ہی ''اقراء'' [پڑھ] ہے۔پھر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قلم اور قلم کے ذریعے علم کی اشاعت کی قسم کھائی ہے۔ن۔ والقلم وما یسطرون ''اور قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتا ہے''۔قرآن وحدیث میں قلم اور کتاب کا جو تقدس اور حرمت بیان ہوئی ہے، اس کے ذریعے عرب قوم کی جاہلیت، علمیت اور فضیلت میں بدل گئی۔نبی ﷺ نے نبوی قلم کی روشنی سے پہلے کے دور کو دورِ جاہلیت سے تعبیر کیا اور اس شخص کو جو علم کی روشنی کو بجھانے کی کوشش ناکام کر رہا تھا، ''ابوجہل'' کا نام دیا۔آپؐ کے اسی انقلابِ قلم وکتاب کی کرنیں دنیا جہاں پر پڑیں تو انسان کو اپنی اس قوت کا راز معلوم ہوا جس کے ذریعے زمین وآسمان کی تسخیر ممکن ہوسکتی ہے۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

آج دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کی ترقی کا راز قلم اور کتاب ہی ہے۔لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ قوم کے ہاتھوں میں قلم اور کتاب دینے کے لئے ایک ایسے رہنما کی ضرورت ہے جس کی نگاہ بلند جان پُرسوز اور سخن دلنواز ہو۔ یہ سامان میسر آجائے تو پھر گراں خواب چینی بھی بیدار ہو جاتے ہیں اور ہمالیہ کے چشمے ابلنے لگتے ہیں۔صوبہ سرحد کی موجودہ قیادت میں دور اندیشی اور احساسِ زیاں کی کمی نہیں۔گذشتہ سات آٹھ سال سے پختون قوم جس کربلا سے گزری ہے، موجودہ قیادت سے زیادہ اور کون اس سے واقف ہے۔لہذا یہی وہ لمحہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت اور ایک امتحان کے طور پر موجودہ منتخب قیادت کو ملا ہے۔

آئندہ پانچ سالوں کے دوران اگر واقعی قوم کو قلم و کتاب کی راہ پر ڈالا گیا تو اس کے ساتھ دوسرا اہم نکتہ ''امن'' کا حصول خود بخود ممکن ہو جائے گا۔قوم کے افراد کو اگر صحیح معنوں میں علم کے حصول کی طرف راغب ومائل کیا گیا تو علم اتنا کل وقتی کام ہے کہ کسی کو کسی دوسری طرف سر اٹھانے کی فرصت کہاں ملتی ہے۔علم کا دعوی ہے کہ مجھے چاہنے والے کو اپنا سب کچھ مجھ پر قربان کرنے کے بعد بھی میری مرضی ہے کہ اپنے جسم سے ایک حصہ عطا بھی کر دوں کہ نہیں۔

قوم کو تعلیم یافتہ بنانے کا کام بہت بڑا کام ہے۔ یہ کام بلا مبالغہ ''ویژن ۲۰۱۱ء'' ہے۔لیکن بڑے کاموں کے لئے جامع منصوبہ بندی کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ جامع اور صحیح منصوبہ بندی میں موزوں اور اہل رجال کار کی فراہمی بہت اہمیت رکھتی ہے کیونکہ بڑے کاموں کے لئے ٹیم ورک کی ضرورت ہوتی ہے۔متحدہ مجلس عمل کی حکومت میں وزارت تعلیم کے لئے مولانا فضل علی حقانی صاحب کا اخلاص اور اس سلسلے میں آپ کی جدوجہد صوبہ سرحد میں تعلیم کے حوالے سے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔لیکن یہ بات بلاتردد کہی جاسکتی ہے کہ آپ کے پاس (Right man for a right job) کی کمی کا احساس اپنی جگہ پر آخر تک نمایاں رہا۔اس لئے اے این پی کو صوبہ سرحد میں قیام حکومت کے ساتھ ہی اس بات کی منصوبہ بندی کرنا چاہئے کہ وزارت تعلیم کے لئے اپنی ٹیم میں سے کسی ایسے رکن کا انتخاب کرے جس کے دل میں خود علم کے حصول اور اشاعت کے لئے ایک تڑپ موجود ہو اور وہ یہ کام ایک مشن اور انقلابی جذبہ کے تحت پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے بے تاب ہو۔

اس کے علاوہ آج کے دور میں تعلیم کو صوبہ سرحد جیسے پسماندہ علاقے میں ہنگامی بنیادوں پر آگے بڑھانے

کے لئے بجٹ کا ایک قابلِ ذکر حصہ وقف کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے دوسرا قدم سرحد کی عام آبادی بالخصوص دیہی آبادی کے زیادہ تر بچے گورنمنٹ، سکولوں میں پڑھتے ہیں اور ان سکولوں کی موجودہ صورتحال کسی دانا سے پوشیدہ نہیں۔ گورنمنٹ سکولوں کو اس حال تک پہنچانے میں وزارتِ تعلیم کے کرتا دھرتا کے ساتھ ہی اساتذۂ کرام کا بھی ایک حصہ ہے۔ لہٰذا نئی حکومت اپنے انقلابی اہداف کے حصول کے لئے وزارتِ تعلیم کے اہل کاروں کو ایک تطہیری مرحلے سے گزارنے کے ساتھ ساتھ اساتذۂ کرام اور سکولوں کے حوالے سے ایک جائزہ رپورٹ تیار کروالے اور یہ دیکھا جائے کہ کتنے لوگ صحیح معنوں میں اس مقدس پیغمبرانہ مشن کے ساتھ وابستگی برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے ہمارے پرائمری سکول خصوصی توجہ کے حامل ہیں۔ نئی حکومت جہاں تعلیم و تعلم کے پیشے سے وابستہ غیر سنجیدہ افراد کو گولڈن ہینڈ شیک کی پیشکش کے ذریعے الگ کیا جائے وہاں پرائمری سے میٹرک کی سطح تک ہر سکول کے لئے پانچ پانچ ایسے اساتذۂ کرام کو داخل (Induct) کیا جائے جو مشنری جذبے کے ساتھ دل میں قوم کا درد رکھتے ہوں اور یہ اساتذہ مندرجہ ذیل پانچ مضامین میں مہارت رکھتے ہوں:

[۱] انگریزی [کم از کم بی اے الیکٹیو انگلش کے ساتھ]۔ اگر ایم اے انگلش میسر آئے تو کیا بات ہے۔ [۲] ریاضی۔ [۳] اردو [۴] سائنس کم از کم بی ایس سی۔ اگر ایم ایس سی ہو تو بہت بہتر رہے گا۔ [۵] حافظ قرآن/ایم اے اسلامیات۔

ان کوائف کے حامل اساتذۂ کرام کے لئے تنخواہ بھی ''حصہ بقدر جثہ'' ہونی چاہئے تاکہ وہ اچھی تنخواہ کی خواہش میں ادھر ادھر نہ بھاگے بلکہ دل جمعی کے ساتھ یہ اہم فریضہ ادا کرے۔ سکولوں کی عمارتیں، میدان، لیبارٹریاں، لائبریریاں اور اساتذہ کرام کی صحت و ضروریات کا خیال رکھنا مشنری حکومتوں کا خاص مشن ہوتا ہے۔ لہٰذا آنے والی حکومت اگر اس حوالے سے چند بنیادی کام کر کے اچھی شروعات کرے تو قافلہ کے بجانب منزل رواں ہونے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔

سکولوں کی نگرانی کا انتظام مؤثر بنانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ خواتین کے سکولوں کا معائنہ خواتین انسپکٹرز اور مردانہ سکولوں کا معائنہ انسپکٹر حضرات کے ذمے اس طرح لگایا جائے کہ یہ نوکری اور افسری بن کر نہ رہ جائے جس طرح کہ ابھی تک ہو رہا ہے۔ بلکہ یہ ایک خوشگوار فریضہ بن جائے کہ اساتذہ کرام اور انسپکٹر خواتین

وحضرات کے درمیان ایک مشترک مشن کے حوالے سے ایک ہی منزل کے راہی بن کر تال میل قائم ہو جائے۔

تعلیم کو اس حد تک لازم اور مفت اور دلچسپ بنانا ہوگا کہ صوبہ سرحد کے پسماندہ اور غریب طبقے کے بچے ورکشاپوں اور ہوٹلوں میں ''او چھوٹے'' کی آواز سے محفوظ ہونے کے ساتھ ساتھ گندگی کے ڈھیروں پر روزی روٹی چننے کی بجائے علی الصباح قلم اور کتاب ہاتھ میں لے کر کسی سکول کی راہ لے۔ یہ کام یقیناً بہت بڑا کام ہے۔اس لئے یہ اتنا آسان بھی نہیں۔ پاکستان میں بالعموم اور صوبہ سرحد میں بالخصوص محکمہ تعلیم کے ساتھ جو مذاق ہوتا رہا ہے اسی کا یہ شاخسانہ ہے کہ قوم کی جوان افراد ادھر ادھر بکھرے ہوئے منتشر پھر رہے ہیں۔

اس لئے اس بڑے کام کے لئے بہت عرق ریزی کے ساتھ منصوبہ بندی کی ضرورت ہے اور آنے والی حکومت کو اس حوالے سے پوری قوم کو اس میں شریک کرنے کے
لئے اقدامات کرنے ہوں گے۔قوم کے مخیّر اور اہل ثروت حضرات کو اس میں شریک کیا جاسکتا ہے اور ایک فنڈ بھی بنایا جاسکتا ہے جس میں صوبہ سرحد کی آنے والی نسلوں کی بھلائی کے لئے دل کھول کر عطیات جمع کی جاسکتی ہیں اور پختون قوم اس حوالے سے حکومت کو مایوس نہیں کرے گی۔قوم کو تعلیم یافتہ بنانے میں دشواریاں بھی پیش آسکتی ہیں لیکن ''ہمت مرداں مدد خدا'' کے تحت ہر کام آسان ہوسکتا ہے۔اللہ کرے کہ یہ بڑا کام ہم سب کے لئے ایک قومی مشن کے طور پر آسان ثابت ہو جائے۔

☆......☆......☆

سماجی ترقی اور امن عالم میں مذاہب کا کردار

پاکستان میں آج کل ایک نفع بخش کاروبار یہ ہے کہ ایک عدد این جی او (NGO) کسی اچھے سے نام کا بنا کر چند ایک لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے کر کے اس کے ممبر اور ارکان وغیرہ بنائیں اور کسی بھی مغربی یورپ کے ملک یا امریکہ کے کسی بڑے ''این جی او'' کے ساتھ ربط و بندھن وغیرہ قائم کر کے کام شروع کرو۔

مغرب کے بھی عجیب انداز ہیں کسی چیز کے پیچھے پڑ جاتے ہیں تو تحقیق کے نام پر جائز و ناجائز پکا کچا، سیاہ وسفید، الغم بلغم سب کچھ اکٹھا کرنے کی کوشش میں ہلکان ہو جاتے ہیں۔

مختار مسعود صاحب نے اپنی مشہور تصنیف ''لوحِ ایام'' میں لکھا ہے کہ انقلاب ایران کے بعد ایران کے بعض صحافی مغربی صحافیوں کو آیت اللہ خمینی اور جناب خامنائی کی درمیان فرق بتانے اور سمجھانے کے مبلغ سو [100] ڈالر لیتے تھے۔ اسی طرح ان کے بہت بڑے سکالرز مشرق شناسی کے دعویٰ میں بہت بڑی بڑی کتابیں لکھ چکے ہیں لیکن واللہ! مشرق کے بارے میں اتنا بھی نہیں جانتے جتنا ہم مغرب کے بارے میں جانتے ہیں۔

بیروت میں امریکن یونیورسٹی کے پروفیسر سموئیل ڈیوڈ مارگولیتھ نے ایک زمانے میں دعویٰ کیا تھا کہ میں اور میرا استاد اگنز گولڈزیہر (Igniz Goldzehr) مسلمانوں سے زیادہ اسلام جانتے ہیں۔ لیکن اسلام کے حوالے ان کی تصانیف میں علمی اغلاط کی جو بھرمار ہے اس کا احاطہ عالم اسلام کے دو ممتاز دینی سکالروں جناب مصطفیٰ السباعیؒ اور مصطفیٰ الاعظمی نے اپنی کتابوں میں مستند حوالوں کے ساتھ کیا ہے۔ 9/11 کے بعد امریکہ اور مغرب میں مسلمانوں کے خلاف یہودیوں نے نفرت اور تعصب پر مبنی جو فضا تیار کی اس کے نتیجے میں بعض سکھ برادری کے لوگ بھی اپنی لمبی داڑھیوں کے سبب مسلمانوں کے تول میں رگڑے گئے۔

یہ چند ایک حوالے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مغرب میں قائم کردہ فکر میں سے نہ ہونے کے برابر ایک حقیر سا نمونہ ہے ورنہ گذشتہ دو سو [۲۰۰] سالوں پر محیط مغربی لٹریچر کا اگر مطالعہ کیا جائے تو کوئی بھی معقول یہ کہے بغیر نہ رہ سکے گا کہ

؎ ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیئے

یہی حال آج کل کے ان NGOs کا ہے جو مذہبی یکجہتی کے حوالے سے کام کرتی ہیں۔ ان لوگوں

نے مغرب کو دکھانے کے لئے ایک آسان طریقہ تلاش کرلیا ہے۔ کسی تعلیمی ادارے کے سربراہ یا پریس کلب یا اگر ڈالر کچھ معقول دیئے گئے ہوں تو گرین ہوٹل یا PC وغیرہ میں بھی چند فارغ اور شوقین قسم کے لوگوں کو تیس چالیس کی تعداد میں جمع کر لیتے ہیں اور ایک بہت دل خوش کن سا عنوان مثلاً ''خواتین پر گھریلو تشدد''، ''اسلام میں عورتوں کے حقوق''، ''امن عالم میں مذاہب کا کردار'' یا ''سماجی ترقی میں مذہب کا کردار'' وغیرہ پر چار پانچ مقررین حضرات کو جمع کر دیا جاتا ہے جس میں ایک عیسائی، ایک ہندو، ایک سکھ، ایک بہائی، اگر میسر آسکے تو ایک آدھ دیگر مذاہب از قسم قادیانی یا دھریے وغیرہ بھی شامل کر دیئے جاتے ہیں۔ سٹیج پر باری باری سارے حضرات ایک ہی بات دہرائے چلے جاتے ہیں کہ سارے مذاہب امن کا درس دیتے ہیں۔ میں یہاں ''فلاں'' مذہب کے نمائندہ کی حیثیت سے اعلان کرتا ہوں کہ ''ہمارا پیغام ہے محبت جہاں جہاں تک پہنچے'' اسلام کی نمائندگی کرنے والے حضرات تو اس حوالے سے خدائی خدمتگار بن کر عالمی امن کا ٹھیکہ اپنے ذمہ لے کر تاریخ اسلام کے ان سارے واقعات کو ایک ہی سانس میں دہرا دیتا ہے۔ لوگ خوش ہو کر تالیاں بجا دیتے ہیں۔ سیمینار کی ویڈیو، اخباری کلپس وغیرہ بن جاتی ہیں۔ مقررین کو شاباش اور تحفہ و ہدیہ وغیرہ دے دیا جاتا ہے۔ حاضرین محفل کو چائے وغیرہ پیش کر دی جاتی ہے۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ مختلف مذاہب کے نمائندوں نے مذہبی یکجہتی کی اظہار کے طور پر ایک دوسرے کے ساتھ گلے مل کر اللہ حافظ، نمستے، ست سری اکال۔ "Have a nice day" کہہ کر ایک دوسرے کو رخصت کیا اور لو! مذہبی رواداری قائم ہو گئی۔

اس قسم کے سیمیناروں، واکوں (Walks) اور دیگر پروگراموں کے آقا ان کی ویڈیوز دیکھ کر خوش ہو رہے ہونگے کہ واقعی کام ہو رہا ہے۔ مسلمان، عیسائی، سکھ اور دیگر مذاہب کے پیروکار آپس میں شیر و شکر ہو رہے ہیں۔ اور اب پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی، بنیاد پرستی اور ''دہشت گردی'' وغیرہ کی بنیادیں ہل جائینگی۔

میں اپنی ناقص معلومات کی بناء پر وثوق سے کہتا ہوں کہ جب تک اصل مرض کی تشخیص نہیں ہو گی سارے علاج اور نسخے بے کار رہیں گے۔ بھئی، سیدھی سی بات ہے جو یہ لوگ سمجھنا نہیں چاہتے اور وہ یہ ہے کہ مغرب اپنے اسلحے اور ٹیکنالوجی کے زور پر جارح ہوتے ہوئے بھی جارحیت کا الزام مسلمانوں پر لگا رہا ہے اور ان این جی اوز کے ذریعے مسلمانوں کو ''عدم تشدد'' کا سبق دے رہا ہے جو ان کے ہاں سرے سے ہے ہی نہیں۔ اسلام تو اس آدمی کو مسلمان ہی نہیں مانتا جو کسی دوسرے انسان کو زبان یا ہاتھ سے کوئی ضرر پہنچائے۔ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے تو اس آدمی کو مسلمانوں کی برادری سے خارج قرار دیا ہے۔ جو کھوٹ ملا ہوتا ہو۔ جو وعدے کا پاس نہ رکھتا ہو، جو امانتدار نہ ہو، جو دوسروں کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو۔ مکی دور میں تیرہ سال کفار کی اذیتیں برداشت کئے لیکن ہاتھ اٹھانے کی کیفیت میں ہوئے بھی لوگوں سے درگزر کیا۔ چودہ سو سرفروشوں کی موجودگی میں امن کے حصول کے لئے دب کر صلح حدیبیہ کیا۔ مذاہب کے درمیان ہم آہنگی کے لئے یہود مدینہ کے ساتھ میثاق مدینہ کیا۔ فتحِ مکہ کے موقع پر معافیٔ عام کا اعلان کیا۔ نبی ﷺ کی تعلیمات کی روشنی ہی میں مسلمانانِ عالم ایک ہزار سال تک سپر پاور رہے لیکن کوئی مؤرخ اسلامی حکومت پر کسی غیر مسلم فرقے کے ساتھ مذہب کی بنیاد پر تعصب، زیادتی یا ظلم و جبر کا الزام نہ لگا سکا۔ اعتدال پسند غیر مسلم مؤرخین کی تحریریں آج بھی اس حوالے سے مسلمانوں کی انفرادیت کی گواہی دیتی ہیں۔

مسلمان حکومتوں نے کبھی بھی اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ مذہبی بنیادوں یا کسی اور وجہ سے کوئی فرق یا امتیازی سلوک نہیں کیا ہے۔ غیر مسلموں کو اسلامی حکومتوں میں برابر کے حقوق حاصل رہے ہیں۔ ہندوستان کا مغل اعظم [اکبر] تو اس حوالے سے جو کچھ کر گیا تھا، وہ تاریخ میں ''دین الٰہی'' کے نام سے محفوظ ہے۔ ہندوستان پر مسلمانوں کے ہزار سالہ حکومت کے دوران تو کبھی بھی کوئی مسئلہ مذہب کے حوالے سے پیدا نہ ہوا لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان جونہی کمزور ہو گئے ہندوستان کے ہندوؤں نے انگریزوں کے ساتھ مل کر مسلمانانِ ہند کو دیوار سے لگا دیا۔ اس کے ردعمل میں پاکستان قائم ہوا۔ آج الحمدللہ! پاکستان وہ ملک ہے جہاں غیر مسلم اقلیتیں امن کے ساتھ رہتی ہیں۔ کبھی کبھار جو اکّا دُکّا واقعات رونما ہوتے ہیں، اس میں بیرونی ہاتھوں کے ساتھ ساتھ بعض خارجی واقعات کا ردِعمل بھی شامل ہوتا ہے جس کو پاکستان کی مسلم اکثریت نے کبھی حق بجانب نہیں کہا ہے اور یقیناً اس قسم کے واقعات قابلِ مذمت ہوتے ہیں کیونکہ قرآن پاک کی تعلیم تو یہ ہے کہ ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔

لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر آج واقعی کوئی تنظیم، این جی او یا ادارہ مذہبی ہم آہنگی کے لئے کام کرنا چاہتا ہے تو وہ اسرائیل جا کر یہودیوں کو امن عالم کے لئے تورات و زبور کے حوالے دے دیں کہ فلسطین کی نسل کشی سے ہاتھ روک لے۔ فلسطینیوں کو بھی فلسطین میں جینے کا حق دیں۔ ہندوستان کے برہمنوں کو جا کر مذہبی رواداری کا سبق دیں کہ اہنسا کے دعویدارو! کشمیریوں پر ظلم کرنا بند کردو اور ''آزادی ہر انسان کا بنیادی حق''

مان کران کو حق خود ارادیت دے دیں تاکہ دنیا میں امن قائم ہو جائے۔ امریکہ اور مغرب کے اتحادی افواج کو بتا دیا جائے کہ اے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والو! عراق اور افغانستان میں پھول جیسے معصوم بچوں، ضعیفوں اور نہتے بے کسوں پر بمباریاں کرنے سے باز آجاؤ تو بغیر کسی تقریر وتحریر، بغیر کسی این جی او اور بغیر کسی ڈالر کے خرچ کئے امنِ عالم قائم ہو جائے گا اور انسان دوسرے انسان کے ساتھ ہنسی خوشی چند روزہ زندگی کو دنیا میں جنت ارضی بنا کر گزار سکے گا۔ ورنہ ظلم بھی ہو اور امن رہے.........ایں خیال است ومحال است وجنوں۔

سیمینار، سمپوزیم، کانفرنسیں ہوتی رہیں گی اور خون انسان ارزاں رہے گا۔ لہٰذا انسانیت کا درد رکھنے والے اس پہلو پر سوچیں تو اچھے نتائج برآمد ہونے کی توقع اور امید کی جاسکتی ہے۔

افسوس صد ہزار سخن ہائے گفتنی
خوف فسادِ خلق سے ناگفتہ بہ رہ گئیں

☆☆☆

امن عالم میں باہمی مذہبی احترام کا کردار

ڈنمارک کے سترہ[17] اخبارات میں توہین آمیز خاکوں کے حوالے سے دنیا کے سارے مسلمان ممالک میں تو احتجاج جاری ہی تھا کہ اس دوران ہندوستان سے بھارتی حکومت کا ردعمل سامنے آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارتی حکومت کے اس ردعمل سے نہ صرف ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں میں اپنی حکومت کے بارے میں ایک خوشگوار تاثر پیدا ہوا ہوگا بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں نے بالعموم اور پاکستان کے مسلمانوں نے بالخصوص اس کو ایک تازہ ہوا کے جھونکے کے طور پر محسوس کیا ہے۔

بھارتی حکومت کے ترجمان نے 23 فروری کو اس سلسلے میں بہت وضاحت کے ساتھ کہا ہے کہ اظہار رائے کی آزادی کی آڑ میں لوگوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا نا قابل قبول ہے اور اظہار رائے کی آزادی کو ہمیشہ ذمہ داری اور احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جانا چاہیے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اظہار رائے کی آزادی سے کوئی غلط فہمی یا کسی کمیونٹی کے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچنی چاہئے۔

بھارتی حکومت کا یہ موقف اقوام اور ملل کے درمیان افہام وتفہیم اور باہمی تعاون کے لئے وہ بنیاد فراہم کرسکتا ہے جس کی اس وقت ہر باشعور اور حساس آدمی خواہش رکھتا ہے۔ یہی وہ اصول اور بنیاد ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مختلف مذاہب کے لوگوں کے ساتھ مکالمہ اور بقائے باہمی (Co-existence) کے لیے بذریعہ وحی فراہم کیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب ایسی بات کی طرف آ ؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے [اور وہ یہ] کہ ہم عبادت نہ کریں مگر ایک اللہ کی اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھرائیں۔

مسلمانوں کی طرف سے سارے مذاہب اور ادیان کے ماننے والوں کے لئے انسانی بنیادوں پر یہ پیشکش آج بھی اسی روح اور معنی کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے باوجود اگر کسی کا میلان طبع اور رجحان اس طرف نہیں بنتا تو اس حوالے سے کوئی جبر اور زبردستی نہیں۔ بلکہ اسلام نے ہر انسان کو عقیدہ مذہب اور زندگی کے طور طریقوں، رسم ورواج اور تہذیب وتمدن کے سلسلے میں سب کو آزادی دیتے ہوئے اور ان کے مؤقف کا

احترام کرتے ہوئے فرمایا ''تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔''

اسلام میں مذہب کی بنیاد پر کسی انسان کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ پر نظر رکھنے والے اہل دانش اس بات کا اعتراف کرنے میں شاید کوئی باک محسوس نہیں کریں گے کہ اسلامی تعلیمات ہی اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ مذہب کی بنیاد پر نہ تو کسی کے بنیادی حقوق کم کئے جاسکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ اسلام ہی دنیا کا سب وہ واحد دین ہے جس میں حکم دیا گیا ہے کہ، ترجمہ: ''تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کے تم انصاف نہ کرسکو۔ انصاف کر کیونکہ یہ تقویٰ کے بہت قریب ہے۔ اسلام میں تو کسی کو برے نام سے پکارنا جرم ہے کجا کہ کسی کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا جائے یا کسی قوم کے مذہبی اور تاریخی بزرگوں کی کردار کشی (Character assassination) کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان پر تقریباً آٹھ سو سال حکومت کرنے کے باوجود تاریخ کے کسی موڑ پر مسلمانوں نے ہندوؤں، بدھ مت کے پیروکاروں اور سکھوں کی کسی مذہبی شخصیت کی توہین کا کبھی سوچا بھی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے ہاں تو رام چندر جی، گوتم بدھ اور گورونانک بابا کے حوالے سے آج بھی جو احترام پایا جاتا ہے وہ شاید کسی طرح بھی خود ان شخصیات کے ماننے والوں سے کم نہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کی مذہبی حوالے سے اتنی مشترکات ہیں کہ آج کے گلوبل دور میں کسی طرح بھی اس بات کا جواز نہیں بنتا کہ مغرب کی طرف سے صرف مسلمانوں کے نہیں بلکہ انسانیت کے آخری پیغمبر، رحمتہ اللعالمین کے حوالے سے کوئی ایسی بات سامنے آجائے جس سے انسانی برادری کے درمیان نفرت اور تعصب کی ناقابل عبور دیواریں کھڑی ہوجائیں۔

مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ ''ہم رسولوں میں تفریق نہیں کرتے'' یعنی ہم مسلمان اس طرح نہیں کرتے کہ بعض پیغمبروں کو مانتے ہیں اور بعض کی نعوذ باللہ نہ ماننے کی بنیاد پر توہین کرتے ہیں بلکہ سارے پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ و چنید بندوں کے طور پر بنی نوع انسان کے لئے رشد و ہدایت کا منبع مانتے ہیں۔ لیکن یہود و نصاریٰ کے ہاں یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں جو ابوالانبیاء ہیں لیکن پھر اسی پیغمبر کی بعض اولاد کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ پھر کیا ضروری ہے کہ جس کو نہ مانا جائے تو اس کی توہین کی جائے۔ مسلمانان عالم کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم قیامت تک موجود رہے گا کہ، ترجمہ: [اے ایمان

والو!] یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں ان کو برامت کہو کیونکہ سو وہ اللہ کو جہالت کی حد سے گزر کر برا کہیں گے۔" قوموں اور ملکوں کے در میں آج کے دور گلوبلائزیشن میں یہی وہ بنیاد ہے جس پر مسلمانوں نے ہمیشہ عمل کیا ہے اور بعض اوقات تو انہیں تعلیمات پر عمل کرنے کے جوش وجذبہ میں بعض حضرات حد سے بھی گزر گئے۔ ہندوستان میں ہندوؤں کا دل جیتنے کے لئے اوران کو برابر کے حقوق دینے کے لئے جلال الدین اکبر نے ایسے اقدامات کئے جن کی اسلام میں کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔اس وقت مغربی دنیا میں عجیب صورتحال ہے کہ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو مذاہب کے درمیان ہم آہنگی کے تحت عالمی امن کے لئے کوشاں ہیں لیکن دوسری طرف چند ایک لوگ لیکن ذرا طاقتور، ایسے اقدامات کر لیتے ہیں جو مذہبی ہم آہنگی کے لئے بہت تباہ کن ثابت ہوتا ہے یہی چیز امن عامہ کو داؤ پر لگاتی ہے۔آج مغرب کے دانشوروں، معتدل عناصر اور خاص کر حکومتوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ایسے عناصر کا راستہ روکیں جو مذہب کی بنیاد پر انسانیت کی تقسیم کر کے امن عالم کیلئے خطرات پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔حالانکہ مذاہب کے تنوع (Relgios diversity) کو اللہ نے لوگوں کے تفاہم (Undrstanding) پر چھوڑا ہے۔اللہ نے لوگوں کو حق و باطل کا راستہ انبیاء ہی کے ذریعے واضح کر کے بتا دیا ہے۔انسان کو عقل واختیار عطا کرنے کے بعد کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچا کہ مذہب کی بنیاد پر انسانیت کے درجے سے گرادیا جائے۔سارے ادیان و مذاہب کا مشترکہ مطالبہ یہ ہے کہ انسان کو انسان کی نظر سے دیکھا جائے۔اس کے علاوہ باقی ساری تفریقات ثانوی حثیت رکھنے کی بناء پر نفرت وتعصب اور جنگ و جدل کی بنیاد نہیں بنی چاہییں۔اگر مذہب عقیدت کی بنیاد پر ہی کوئی قابل مذمت ہوسکتا ہے کہ اس بنیاد حقوق ہی تلف ہو جائیں تو پھر یہ تفریق زبان، نسل، جغرافیہ وغیرہ کی بنیاد پر بھی اس حد تک پہنچ سکتی ہے۔حالانکہ اگر خدانخواستہ زبان کے اعتبار سے انسانوں کو پرکھا اور دیکھا جائے تو پھر تو کسی ایک زبان کے علاوہ دیگر زبانیں کاٹ پھینکنے کے قابل ٹھہریں گی۔اگر نسلی بنیادوں پر بات کی جائے تو پھر تو ایک ہی ملک میں مختلف نسلوں کے لوگ ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کے لے دوڑیں گے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو ایسی ہے کہ وہ ہر انسان کی زبان سمجھتا ہے۔لہٰذا وہ انسانیت کو زبان کی بنیاد پر آپس میں گتھم گتھا ہونا پسند نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ ذات و برادری سے پاک ہے۔لہٰذا اسکے ہاں قریشی و ہاشمی سے گنگوا تیلی تک سب نسل کی لحاظ سے برابر ہے کیونکہ سب ابن آدم ہیں۔

اللہ تعالیٰ زمان ومکان سے پاک ہے لہٰذا کوئی محسوس علاقہ اور جگہ اس کا وطن نہیں وہ ایک طرف اگر عرش کی بلندیوں پر قرارر کھتے ہیں تو دوسری طرف غریب، یتیم اور مظلوم کے دل میں بھی موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے تو اللہ تعالیٰ انسانوں کو ان حوالوں سے ایک دوسرے کا دشمن بننے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ رحمتہ اللعالمین کے پاک مجالس میں ایک طرف مکہ مکرمہ کے مہاجر ہوتے تھے تو دوسری طرف مدینہ منورہ کے انصار، فارس کے سلمانؓ اور حبش کے بلالؓ، روم کے صہیبؓ، امراء میں سے عثمان غنیؓ، غرباء میں سے عبداللہ ،اشرافیہ (ALITES) میں سے عمر و علیؓ اور غلاموں میں سے زیدؓ بن حارثہ اور انسؓ ایک ساتھ ایک ہی پر وٹو کول کے ساتھ بیٹھے نظر آتے ہیں۔ اسلام کی یہ تعلیمات آج بھی تعصّبات کی گرد میں لت پت معاشروں کو جاہلیت کی سوچ سے باہر نکال سکتی ہے جس نتیجے میں امن عالم ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا وقت کی پکار یہ ہے کی دنیا بھر کے معتدل اور باشعور طبقات احترام باہمی کی بنیاد پر، اقوام متحدہ کی سطح پر ان مسائل کو اٹھائے اور اس حوالے سے باقاعدہ قانون سازی کریں تاکہ وقتاً فوقتاً اس قسم کے مسائل انسانیت کو مشکلات سے دوچار نہ کرسکے۔

☆......☆......☆

امن کا حصول مگر کیسے...؟

امریکہ، برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک سے لیکر افریقہ کے خانہ جنگی کے شکار ملک روانڈا تک اور اسرائیل سے لیکر بھارت تک اور بھارت کے پڑوسی پاکستان تک سبھی حکومتیں، جماعتیں، تنظیمیں، افراد اور اجتماع سب امن کی خواہش اور طلب وضروت کا اظہار بھی کرتے ہیں اور اس کیلئے اپنے اپنے انداز سے کام اور کوشش بھی کرتے ہیں۔ اربوں کھربوں ڈالرز خرچ کئے جارہے ہیں تاکہ امن قائم ہوجائے، لیکن امن ہے کہ قائم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ تاریخ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں امن کو جب بھی خطرات لاحق ہوئے ہیں اُس کی چند اہم وجوہات میں سے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے دوری ہے۔ خاتم النبینﷺ کی آمد سے پہلے عرب میں بالخصوص اور ساری دنیا میں بالعموم اقوام وقبائل کے درمیان جنگ وجدل کے نتیجے میں انسانیت تار تار ہو چکی تھی۔

اُس وقت کی دو بڑی طاقتیں روم اور فارس کے درمیان شام کے علاقوں کو اپنی کالونی میں تبدیل کرنے کیلئے پیہم دست بہ گریبان تھیں۔ خود عربوں کے درمیان قبائلی لڑائیوں کی تعداد ایک سو بتیس تک پہنچ چکی تھی۔ یونان کے اسکندر اعظم نے چار قبل مسیح میں دنیا کو فتح کرکے فاتح عالم کہلانے کیلئے مظلوم ومجبور انسانیت کو ناقابل تلافی نقصانات سے دوچار کیا تھا۔ یہاں شاید اس بات کا ذکر بہت ضروری ہے کہ اسکندر اُس شخصیت کا شاگرد تھا جس کو دنیا بہت اعلیٰ نظر سے دیکھتی ہے کہ اُس نے علم وفلسفہ کی ترویج میں بہت بڑا کردار ادا کیا تھا۔ میری مراد ارسطو سے ہے، گویا اُس زمانے میں ان پڑھ جاہل تو تھے ہی نرے جاہل پڑھے لکھے بھی دنیا کو فتح کرنے سے باز نہیں رہتے تھے۔ نبی کریمﷺ کی بعثت کے ایام میں لوگوں نے دو بڑے مسائل جو اس وقت عربوں کو درپیش تھے، وہ امن اور بھوک کے مسائل تھے۔ آپﷺ نے لوگوں کو کائنات کے خالق ومالک کی عبادت کی دعوت دی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کے ذریعے بنی نوع انسان کے ان دو اہم اور بنیادی مسائل کے حل کیلئے ساری انسانیت کو اس گھر کے ربّ کی عبادت کی طرف بلایا جسے حرم پاک کہتے ہیں۔ کیونکہ اُسی گھر کے ربّ نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور ان کے خوف [بدامنی] کو امن میں تبدیل کیا۔

نبی اکرمﷺ نے معاشرے میں امن کے قیام کیلئے جو لائحہ عمل اختیار کیا تھا اور امن وسلامتی کیلئے جس

قدر حریص تھے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے نبوت کے بعد بھی فرمایا تھا کہ آج بھی کوئی ایسا معاہدہ کرنا چاہے تو میں اُس کیلئے تیار ہوں اور ایسے معاہدے کے بدلے سو [۱۰۰] سرخ اونٹنیاں بھی لینے کو تیار نہیں ہوں۔

ویسے یہ بہت اہم بات ہے اور ہمارے لئے اس میں بہت اہم سبق پوشیدہ ہے کہ جس طرح مکہ المکرّمہ میں مظلوموں کے حقوق کے تحفظ کیلئے حلف الفضول کے نام سے چند امن پسندوں نے مل کر ایک معاہدہ کا اعلان کیا تھا کہ ہم حرم پاک میں کسی کو کسی کا حق غصب نہیں ہونے دیں گے کیونکہ حقوق کا ضیاع اور انصاف کے فقدان کی وجہ سے امن وامان کو خطرات لاحق ہوتے ہیں۔

کیا آج پاکستان کے دیہاتوں اور شہروں میں ایسے بے داغ کردار والے افراد کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ مل کر گاؤں، محلے، یونین کونسل اور ضلع کی سطح پر امن کمیٹی تشکیل دیں۔ یہ کمیٹیاں خدا کو حاضر و ناظر جان کر بلا کسی تعصب، جانبداری اور کسی قسم کے دباؤ کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور انسانیت کی خدمت کے جذبے کے ساتھ آگے بڑھ کر کام کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے مثبت نتائج برآمد نہ ہوں۔ ان کمیٹیوں کے ممبران میں اتنی جرات بھی ہونی چاہئے کہ وہ ہر تحصیل و ضلع کی سطح پر تین محکموں پر خصوصی نظر رکھیں کہ معاشرے میں زیادہ تر مشکلات ان کے کرتوتوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ پٹواری، پولیس اور کالے دھن کے مالک ''سفید پوش'' افراد، پٹواری اگر زمینوں کے لین دین و معاملات میں طرفداریاں اور رشوتیں لینا چھوڑ دیں، پولیس اگر خدا خوفی کے ساتھ اور اللہ سے اجر کی امید کے ساتھ معاشرے کے مظلوموں کا ساتھ دے اور یہ امن کمیٹیاں ان کی مدد کریں تو دنیا دیکھے گی کہ اسلامی معاشرے بہت جلد امن سے ہمکنار ہوں گے۔ معاشرتی اور سماجی انصاف کے بغیر امن کا نام لینا بھی فضول کام ہے۔ میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ عالمی سطح پر امریکہ اربوں کھربوں ڈالر خرچ کرتا رہے کہ دنیا میں امن قائم ہو جائے لیکن جب تک امریکہ مسئلہ فلسطین اور مسئلہ کشمیر اور دنیا کے دیگر بعض سلگتے مسائل اور دنیا کے اقتصادی مسائل انصاف کے ساتھ حل نہیں کرے گا، دنیا میں ظلم بھی ہو اور امن بھی قائم ہو جائے یہ ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو امن کے قیام میں تھوڑی سی بھی دلچسپی ہے تو اُسے کم از کم اپنے دائرہ اختیار میں عدل و انصاف کا ایسا بول بالا کرنا ہوگا جو نظر آ سکے۔ زبانی جمع خرچ کی حد تک تو ہر انسان، قوم و ملک دعویدار ہے کہ میں بڑا انصاف پسند اور انصاف بانٹنے والا ہوں لیکن انصاف وہ ہے کہ دشمن

اور مخالف اُس کی گواہی دیں۔

دنیا میں انصاف، انبیاء علیھم السلام اور بالخصوص خاتم النبین ﷺ نے جاری فرمایا ہے۔ آج قرآن کریم کی یہ آیات کریمہ جس کا نعم البدل دنیا کی کسی قوم کے پاس کسی آئین و دستور یا مذہبی دستاویزات میں نہیں پائی جاتی۔ اس کا نفاذ دنیا بھر کو امن کی ضمانت دینے کی ضمانت ہے۔ اس میں قرآن کریم پر ایمان رکھنے والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ''تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر مجبور نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرسکو، ہمیشہ انصاف کرو کہ یہ تقویٰ کے بہت زیادہ قریب ہے''۔

اس وقت ساری دنیا کو امن کے قیام کی سخت ضرورت بھی ہے اور ہر ایک ملک وقوم اس کی تلاش میں سخت سرگرداں ہے لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانان عالم رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ وکاملہ میں مکمل طور پر رنگ کر دنیا کو آپ ﷺ کی تعلیمات کی طرف مائل ہونے پر مجبور کردیں۔

اس عظیم کام کیلئے ہمیں خود اپنے معاشروں میں جناب رسول اللہ ﷺ کی سماجی ومعاشرتی تعلیمات پر عمل کر کے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دے کر پیش کرنا ہوگا جہاں انسان کو انسان سے خطرہ نہ ہو۔ جہاں ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کے ساتھ باآسانی زندگی گزارسے۔ جہاں ایک انسان دوسرے انسان کے ہاتھ اور زبان کی اذیتوں سے محفوظ رہے۔

جہاں حکومتی سطح پر ایسے افراد ہوں جن کے انفرادی واجتماعی اور نجی سرکاری معاملات صاف وشفاف اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیمات واحکامات کے مطابق ہوں۔ جہاں امانت وصداقت کا رواج مضبوط بنیادوں پر قائم ہو ایسے معاشرے کے افراد جہاں بھی جائیں گے، دنیا کے غیر جانبدار اور معتدل مزاج لوگ ان سے متاثرہ ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے قریب آئیں گے۔

مسلمان اس قسم کے معاشروں اور حکومتوں کی تشکیل وقیام میں کامیاب ہوجائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا مسلمان کی تعلیمات کو اخذ نہ کرے۔

آج سکنڈ دنیا کے مما لک میں بنیادی حقوق کے تحفظ کیلئے حضرت عمر فاروقؓ کے نام سے ''عمر لاز''(Umar's Laws) نافذ ہوسکتے ہیں تو دیگر معاملات میں دنیا کے باقی حصوں میں اسلامی تعلیمات واحکامات کیوں مقبول نہیں ہوسکتیں۔ موجودہ دور میں اسلام کو سب سے زیادہ نقصان ہم مسلمانوں کے اعمال

اور سکنات وحرکات سے پہنچ رہا ہے ورنہ دنیا تو بہترین زندگی کے اصول اور گزارنے کیلئے پیاسی اور بے چین کھڑی ہے۔ دنیا میں بہت سارے لوگ اسلام کی روشن تعلیمات کا مطالعہ کر کے متاثر ہو جاتے ہیں لیکن اسلامی تعلیمات اور مسلمان معاشروں کے درمیان تضادات کو دیکھ کر چوراہے میں حیران و پریشان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کیا مشہور نو مسلم سکالر ڈاکٹر محمد اسدؒ نے ''اسلام چوراہے پر'' نامی کتاب (Islam at the cross roads) ان ہی حالات کو دیکھ کر تو نہیں لکھی تھی۔

مسلمانوں کے درمیان شدید قسم کے نظریاتی اختلافات کے علاوہ آج برپا شدید قسم کی لڑیاں اور جھگڑے کہیں دنیا کو اسلام کی طرف آنے میں مزاحم تو نہیں۔ آج دنیا کے تین بڑے اور آسمانی مذاہب یہودیت، عسائیت، اور اسلام ماننے والوں کے درمیان سخت کشمکش برپا ہے، کیا ''منٹگمری واٹ'' نے بھی یہی محسوس کیا تھا جب انہوں نے لکھا کہ جب تک ان تین مذاہب کے درمیان بقائے باہمی کے تعلقات اُستوار نہیں ہوتے اس وقت تک دنیا میں امن قائم نہیں سکتا۔

ہم مسلمانوں کا دعویٰ یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ دنیا کا کوئی مذہب تحریف سے پاک نہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اور صرف اسلام ہے لہٰذا اس سلسلے میں پہل ہمیں کرنا ہوگی کہ دنیا کی سب سے بڑی نعمت ''دین اسلام'' اور اس کی امن کیلئے بہترین اور ناگزیر تعلیمات ہمارے پاس ہیں لہٰذا بوجھ ہمیں ہی اُٹھانا پڑے گا ورنہ دنیا میں بدامنی اور انسانیت کو درپیش مسائل کے حوالے سے ہم آخرت میں اللہ کو جواب دہ ہوں گے۔ اللہ ہم پر رحم فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆